علامہ اقبال اور عبدالماجد دریابادی: ایک مطالعہ

ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی

اسسٹنٹ پروفیسر (ریسرچ) کوآرڈینیٹر، اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی، کشمیر یونیورسٹی، سرینگر۔190006

سفر نامہ زندہ قدیم و جدید زبانوں کی ایک معروف نثری صنف ہے۔ مختلف زبانوں کے اُدبا، شعرا اور محققین نے جب مختلف مما لک کے اسفار کئے تو وہاں کی ثقافت، تہذیب اور تجربات کو انھوں نے قلمبند کرنا ضروری سمجھا۔

برصغیر ہند میں سولھویں صدی میں باقاعدہ سفر نامے اور سفری یادداشتیں ترتیب دی جانے لگیں۔

ہندوستان پر مبنی سفر نامہ نگاروں میں عربی زبان میں ابن بطوطہ کا ''عجائب الاسفار'' البیرونی کا ''کتاب الہند'' اور محمد دین میر ولی کا ''بحر الاسرار'' دنیا بھر میں تاریخی اہمیت کے حامل سفر نامے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان سفر ناموں میں متذکرہ بالا برگزیدہ شخصیات نے تمام ہندوستان کی بالعموم اور سرزمینِ دِلی کی بالخصوص تاریخی عظمت کی حامل گزشتہ صدیوں کی عظیم الشان تہذیب، ثقافت اور سیاست پر سیر حاصل مشاہداتی تبصرے کئے ہیں۔ ابن بطوطہ کے سفر نامہ کے ''عجائب الاسفار'' کے انگریزی، فارسی اور اردو کے کئی تراجم منظر عام پر آئے ہیں۔ اپنے سفر نامہ میں انھوں نے دہلی کے حوالے سے شہر دہلی اور اُس کی فصیل، دہلی کی تاریخ، دہلی کے سلاطین، بادشاہوں کے خصائل وغیرہ کی مکمل تفصیلات بیان کی ہیں۔[1]

دراصل عربی، فارسی اور اردو سفر نامہ نگاروں کے یہاں اکثر سفر نامے دینی حُکم کے زمرے میں آتے ہیں۔ قرآن حکیم میں کئی بار اللہ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی زمین میں چل پھر کر منکرین حق کے انجام کا مشاہدہ کیجئے ''**قُل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبة المکذبین**'' (الانعام:۱۱) مفہوم: (یا رسول اللہ ﷺ! انھیں فرمایئے کہ زمین میں چل پھر کر حق کو جھٹلانے والوں کا انجام دیکھ لو)

اس کے ساتھ ساتھ سفر کو وسیلۃ الظفر قرار دیا گیا ہے۔ نیز سفر کی غایت وغرض بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی نے اپنے ''سفر حجاز'' کے دیباچے میں رقم کیا ہے کہ ''اصل میں ابتداً حجازِ مقدس کی زیارت ہی کے لیے اسفار اختیار کئے جاتے تھے کہ اُن کا کعبۂ مقصود یہی سرزمین تھی۔ ''ابن حوقل بغدادی، اصطخری فارسی، حکیم ناصر خسرو، ابن جبیر اندلسی، ابن بطوطہ مغربی اور بیسوں سیّاح اسی قسم کے ہیں جنھوں نے اپنے سفر کا آغاز اسی نیّت سے کیا اور پھر جب سیر وسیاحت کی چاٹ لگ گئی تو دُنیا کے گوشہ گوشہ کو چل پھر کر دیکھ لیا اور اپنے مشاہدات کو سفر نامہ کی صورت میں قلمبند کر دیا''[2]

یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ اسی جذبے کے تحت جتنے اور جس معیار کے سفر نامے مسلمان سیاحوں نے رقم کئے ہیں، زندہ اور معلوم زبانوں میں اتنے اور ایسے سفر نامے غیروں نے نہیں لکھے ہیں۔ یہ دراصل مُسلم ثقافت کے حرکی اور آفاقی ہونے کی ایک واضح نشانی ہے۔ اردو زبان وادب میں سفر نامے کی باقاعدہ روایت کا آغاز اُنیسویں صدی کے وسط سے ہوا اور یوسف خاں کمبل پوش اس اعتبار سے اردو کا پہلا سفر نامہ نگار کہلانے کا مستحق ہے۔ حالانکہ اُس کا سفر نامہ، سفر نامے کی نسبت سیاحت نامے سے زیادہ قریب ہے کیونکہ تنقید نگاروں کے نزدیک سیاحت من کی موج اور باطن کی آواز کے نتیجے میں اختیار کی جاتی ہے جبکہ سفر میں ایک طرح کی خارجی مجبوری رہتی ہے۔

ایسے اردو سفر نامے بھی ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں جو دلچسپ اور اہمیت کے حامل ہیں۔ ان سفر ناموں میں منشی برج باسی لال کا ''سیر دکن'' علی بخش کا ''سفر دکن'' اور صُغرا ہمایوں کا ''سیاحتِ جنوبی ہند'' خاص اہمیت کے حامل سفر نامے ہیں۔

گزشتہ چھ دہائیوں میں اردو زبان میں اس صنف نے خاصی ترقی کی ہے بلکہ اس میں مزید وسعت حاصل کرتے ہوئے ڈائریوں، رسالوں اور یاد داشتوں کو بھی معرضِ وجود میں لایا گیا ہے۔ چنانچہ ان جدید سفر ناموں میں سید سلیمان ندوی، شبلی نعمانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، محمد تقی عثمانی اور وحیدالدین خان کے سفر نامے خاصے مقبول ہوئے۔

برصغیر ہند میں جہاں تک شہر دلّی کا تعلق ہے، تو اس کی ایک عظیم تاریخ اور شاندار ماضی ہے۔ راجا دہلو کے سجائے ہوئے اس عظیم شہر کو بعض مؤرخین نے شاہجہاں آباد کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اس تاریخی شہر کو عظمتِ اسلام کی خانقاہ کہہ کر پکارا ہے۔ ''بانگِ درا'' میں اقبال اپنی معروف دردانگیز نظم ''بلاد اسلامیہ'' میں دہلی شہر کے ہر ذرے میں خدا پرست اور خداترس اسلاف کا لہو خوابیدہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

سر زمین دلی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے
ذرّے ذرّے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے

پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں
خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سر زمیں

علامہ اقبال کے لاہور سے لندن تک سفر کی تفصیل اُن کی اپنی تحریروں اور احباب کے مضامین میں ملتی ہے۔ وہ یکم ستمبر ۱۹۰۵ء کی رات کو لاہور سے دہلی روانہ ہوئے۔ احباب میں سے شیخ محمد اکرام انھیں رخصت کرنے کے لیے دہلی تک ساتھ گئے؎ گاڑی ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کی صبح دہلی پہنچی۔ اسٹیشن پر خواجہ حسن نظامی اور منشی نذر محمد استقبال کو آئے ہوئے تھے۔ ریل سے اتر کر پہلے منشی نذر محمد کے مکان پر تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر سب دوستوں نے مل کر نظام الدین اولیاء کے مقبرہ پر فاتحہ پڑھی اور داراشکوہ کے مزار کی زیارت کی۔ درگاہ پہنچ کر مزارِ نظام الدین اولیاء پر حاضر ہوئے۔ اقبال نے عالم تنہائی میں تُربت کے سرہانے بیٹھ کر اپنی معروف نظم ''التجائے مُسافر'' بہ درگاہِ حضرت محبوب الٰہی، دہلی'' اپنے منفرد لہجے میں پڑھی جس کے چند اشعار یوں ہیں:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورت نظام ہے ترا

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

ستمبر ۱۹۳۱ء کو علامہ اقبال نے گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کی غرض سے دہلی میں اپنے چند اہم دوستوں سے ملاقات کرنے کے لیے ایک اور دورہ کیا۔ اس دورے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حمزہ فاروقی اپنی کتاب ''سفرنامۂ اقبال'' اقبال پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''اگلے روز فرنٹیر میل صبح ساڑھے دس بجے دہلی اسٹیشن پر پہنچی۔ مولانا مظہرالدین مُدیر سہ روزہ ''الامان'' دہلی کی روایت کے مطابق چھ بجے سے لوگ اسٹیشن پر جمع ہونے لگے۔ آپ کی آمد کے وقت تقریباً تین ہزار افراد اسٹیشن پر جمع تھے جن میں شمس العلماء مولانا سیّد احمد جامع مسجد دہلی، شامل تھے۔

دہلی کے مسلمانوں سے خطاب کے دوران اقبال نے انھیں نصیحت کی کہ'' دہلی کے مسلمانوں کو ایسی آواز بلند کرنی چاہیے جس کا کم از کم تمام ہندوستان انتظار کرے'' نیز دہلی کے مسلمانوں سے خطاب کے دوران آپ نے نواب مرزا داغ کا یہ مصرع بھی پڑھا:

یا خدا مسجد جامع کا رہے نام بلند
اہل کعبہ کہیں، وہ آئی اذانِ دہلی!

دہلی کے ایک اہم سفر نامہ نگار مولانا عبدالماجد دریابادی بھی ہیں: (۱۹۷۷ء-۱۸۹۳ء) عبدالماجد دریابادی قدوائی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان خواجہ معین الدین اجمیری کے زمانہ میں ملک روم سے ہندوستان آیا اور انہی کے حکم سے قصبۂ اودھ (اجودھیا) ضلع فیض آباد میں آ کر آباد ہوا۔ مولانا عبدالماجد کی پیدائش ضلع باری بنکی کے ایک قصبے دریا باد میں ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ ؎

بیسویں صدی کے اوائل سے لے کر اب تک اور شاید آئندہ بھی ایک مدّت تک لکھنؤ کے چھوٹے سے قصبے دریا باد کی پہچان مولانا عبدالماجد دریابادی ہی کی وجہ سے قائم رہے گی۔

مولانا عبدالماجد دریابادی برصغیر ہند و پاک کی ایک ایسی معروف ادبی و علمی شخصیت تھے جن کے ہفتہ وار پرچہ ''سچ''، ''صدق'' اور ''صدق جدید'' نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کے مسلمانوں خاص طور پر شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، ثقافتی اور مذہبی سرگرمیوں کو سمجھنے کے لئے دریابادی کی تحریروں کو پڑھے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

مولانا دریابادی کو اپنے دور کی ممتاز علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات جیسے شبلی نعمانی، علامہ اقبال، محمد علی جوہر، مولانا اشرف علی تھانوی، سید حسین احمد مدنی اور سید سلیمان ندوی سے نہایت قریبی تعلقات تھے اگر چہ وہ ان میں بعض حضرات سے چند سیاسی و مذہبی مسائل میں سخت اختلاف بھی کرتے تھے، مگر اُن کی بالغ نظری نے اختلاف فکر و نظر کو کبھی بھی ذاتی

تعلقات پر اثر انداز ہونے کی اجازت نہیں دی۔ ڈاکٹر تحسین فراقی کے بقول مولانا عبدالماجد صاحب گاندھیائی طرزِ سیاست سے کم وبیش ساری عمر متاثر رہے۔ بہت سے دوسرے مسلمانوں کی طرح انھیں بھی مہاتما گاندھی کی مذہبیت نے متاثر کیا تھا۔''[۸]

مولانا عبدالماجد دریابادی جامع الحیثیات بزرگ تھے۔ وہ فلسفہ شناس ونفسیات دان کے علاوہ ممتاز عالم دین اور مفسّر قرآن تھے۔ چنانچہ تفسیر ماجدی اُن کی شاہکار قرآنی تفسیر مانی جاتی ہے۔ ان سب علوم کے علاوہ وہ سوانح نگار، سیرت نگار، شاعر، ڈراما نگار، صاحب طرز مکتوب نگار اور سفرنامہ نگار بھی تھے۔ انھوں نے اپنے معروف سفرنامہ ''سفرحجاز'' کے علاوہ لاہور، کراچی، بمبئی، بہار، بھوپال، کلکتہ، مدراس اور حیدرآباد کے حوالے سے اپنے سفری تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ اُن کا آخری سفری مجموعہ ''سیاحتِ ماجدی یا گیارہ سفر'' جس میں آٹھ مقامات کی سیاحت مذکور ہے اُن کی وفات کے بعد حکیم عبدالقوی دریابادی نے شائع کیا۔

تبلیغی وتقریری مقاصد کے لیے کئے گئے ان اسفار پر سیاحت کا اطلاق ذرا مشکل ہی سے ہوسکتا ہے۔ بہرحال خود مرحوم عبدالماجد کو تو اسی پر حیرت ہو رہی تھی کہ انھوں نے اتنے سفر کیسے کر لیے ہیں۔ چنانچہ وہ غالبؔ کے ایک مصرعے میں ادنیٰ تصرف کر کے اسے اپنے سفرنامہ بمبئی کے آغاز میں یوں ٹانک دیتے ہیں:

غیر کیا خود مجھے حیرت مرے اسفار پر ہے

بحیثیت سفرنامہ نگار دہلی انھوں نے باضابطہ طور پر کوئی سفرنامہ ترتیب نہیں دیا ہے البتہ اُن کی متعدد تحریرات وتصانیف میں جگہ جگہ دہلی کی قدیم تاریخی، ثقافتی، تمدنی اور اہم ترین شخصیات کے نمایاں اثرات نظر آتے ہیں۔

۲۰۱۳ء میں اُنہی کے خاندان کے ایک چشم وچراغ اور جید ادیب و دانشور پروفیسر عبدالعلیم قدوائی نے ''دلی نقوش وتاثرات رشحات قلم بابتِ دلّی'' مرتّب کی ہے۔ اس میں قدوائی صاحب نے پانچ ابواب کے تحت دلّی کے حوالے سے اُن کے رشحات قلم منظر عام پر لائے ہیں۔ مذکورہ کتاب کا دیباچہ سابق وائس چیئرمین اردو اکادمی اور جیّد اسکالر پروفیسر اختر الواسع کا تحریر کردہ ہے جبکہ حرف آغاز سکریٹری اردو اکادمی جناب انیس اعظمی کا ہے۔

اس کتاب میں اولاً بڑی جامعیت سے مولانا دریابادی کے دلّی اور اہل دلّی کے تعلقات کو بیان کیا گیا ہے۔

کتاب کا باب دوم مشاہیر دہلی پر مشتمل ہے۔ اس میں دلّی کے بزرگان دین، علما، شعرا، نثر نگار، صحافی، سیاستدان اور معروف شخصیات کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے خاکے، ریڈیو نشریے اور تاثرات شامل ہیں جو ادبی اور علمی دونوں اعتبار سے بڑے دلچسپ اور معنی خیز ہیں۔

باب سوم عبدالماجد صاحب کے حوالے سے دلی کے سفرناموں پر مشتمل ہے۔ اس میں مولانا عبدالماجد نے دلّی کے تین اہم ترین علمی و ادبی سفروں کی روداد اپنے منفرد شگفتہ و دلآویز اسلوب میں بیان کی ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب مرحوم نے ان تین دلّی کے اسفار میں بڑی جامعیت اور پُر تاثیر انداز سے متقدمین سے لے کر معاصرین تک کے تمام اُدبا، عُلما، فُضلا کے مراتب کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے ساتھ انھوں نے دہلی کے تاریخی قلعہ کی عظمت، جامع مسجد دہلی کی شان وشوکت، شاہ جہاں آباد، انجمن ترقی اردو ہند اور نئی دہلی کی جگمگاتی تہذیب وتمدن کا ذکر خلوص دل، ایمانی غیرت اور بے پناہ نیک جذبات سے کیا ہے۔

دراصل عبدالماجد دریابادی نے زندگی کے مختلف ادوار میں دہلی کے متعدد اسفار کئے جن کا ذکر اُن کی کتابوں، اخباروں اور خطوط میں الگ الگ ملتا ہے، لیکن آزادی کے بعد دہلی کے تین سفروں کی روداد انھوں نے اپنے منفرد اور شگفتہ انداز میں اپنے مؤقر اردو ہفتہ وار جریدوں صدق اور صدق جدید میں قسطوں میں شائع کی ہے۔ جن میں سے دو سفرنامے کتابی شکل میں سیاحت ماجدی میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۶۷ء میں وہ عربی کی سندِ فضیلت لینے جب دہلی گئے تو اس کا حال انھوں نے سرکاری تقریب کے عنوان سے ''صدقِ جدید'' مورخہ ۵ رمئی ۱۹۶۷ء کو قلمبند کیا۔ یہ تقریب ۱۱ راپریل ۱۹۶۷ء کو راشٹرپتی بھون نئی دہلی میں منعقد ہوئی جس میں صدر جمہوریہ جناب رادھا کرشنن نے یہ سند اعزاز انھیں عطا کی۔ مولانا اس سلسلہ میں دو ایک دن قبل دہلی پہنچے جہاں اُن کا قیام نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے اصرار پر اُن کی فرودگاہ میں رہا۔

دہلی میں آپ آستانہ نظام الدین اولیا، آستانہ بختیار کاکیؒ اور خواجہ حسن نظامیؒ کی قبر پر حاضری دینے کے علاوہ مزار غالبؔ پر بھی حاضر ہوئے اور پھر ان اولوالعزم ہستیوں پر اپنے عقیدت کے پھول نچھاور کر لیے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے عبدالماجد صاحب کو نہایت محبت رہی ہے۔ چنانچہ اپنے سفرنامہ دلّی میں وہ جامعہ ملیہ کے دوستوں کے حوالے سے ایک جگہ کہتے ہیں:

''جامعہ ملیہ سے اس کے ابتدائی علی گڑھی دور یعنی بانی جامعہ مولانا محمد علیؒ کے زمانے میں تعلق بہت گہرا اور مخلصانہ رہ چکا ہے۔ بعد کے دونوں پرنسپلوں عبدالمجید خواجہ اور ڈاکٹر ذاکر حسین خان سے بھی ربط مخلصانہ رہا۔ اسٹاف کے دوسرے ارکان حافظ اسلم جیراجپوری، خواجہ عبدالحئی، مولانا محمد سورتی وغیرہم بھی کرم فرما رہے اور شفیق الرحمٰن مرحوم تو اپنے عزیز ہی تھے پرنسپل مجیب سے بھی رشتہ برادری اور قرابت کا پہنچتا ہے۔ گو نظریات الگ الگ ہیں۔''[9]

اسی طرح سے دہلی میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے جماعتِ اسلامی ہند اور اس کے امیر کو قریب سے دیکھتے ہوئے اپنے تاثرات یوں بیان کئے ہیں:

''جماعت اسلامی ہند کے نام اور اس کی فعالیت سے ملک کے طول و عرض میں کون ناواقف ہے۔ اس کے امیر مولانا ابواللیث ندوی اپنے اخلاص ہی سے نہیں بلکہ اپنی آدمیت، مصالحت پسندی، سنجیدہ مزاجی و متانتِ فکری کے لحاظ سے بھی ہر طرح اس منصب کے اہل ہیں اور رزم سے کہیں زیادہ بزم کے آدمی ہیں۔ فرط محبت انھیں اسٹیشن بھی کھینچ لائی اور پھر ایک دن اپنے دفتر میں دھوم دھام سے کھانا کھلایا۔ یہیں روز نامہ دعوت کے کارکنوں سے ملاقات رہی اور ان کے انگریزی ہفتہ وار Radiance کے ایڈیٹر عبدالرؤف (مدراسی) سے تعارف ہوا''۔ [10]

اس کے بعد وہ دہلی کے چاندنی چوک کی چکا چوند والی دکانوں، سڑکوں کا ذکر کرنے کے بعد شفاخانہ، دواخانہ اور دیگر اداروں کا ذکر نہایت ادیبانہ انداز میں کرتے ہیں۔

دراصل مولانا عبدالماجد دریابادی کی یادآفرینی میں کمال حاصل تھا اور اس کا اظہار اپنی مؤثر ترین شکل میں اُن کے تمام سفرناموں میں موجود ہے۔ کامیاب سفرنامے کے لیے ایک بنیادی شرط دِقّت مشاہدہ و مطالعہ ہے۔ ایک سماج، اس کی اقدار، اس کے احوال و ظروف، اس کا طرزِ احساس، اس کا رہن سہن، رسوم و رواج، میلانات اور تمدن اگر اپنی ضروری جزئیات کے ساتھ کسی سفرنامے میں تازہ اسلوب کے ہمراہ جلوہ گر ہوتا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ لکھنے والے نے سفرنامے کا حق ادا کر دیا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی ایک ضروری بات صداقت نگاری اور صدق گفتاری ہے۔

مولانا عبدالماجد نے اپنے قیام دلّی میں بلاشبہ سیاسی، سماجی، دینی، ادبی، علمی اور تاریخی اور تمدنی صورتِ حال کا ایک بالغ نظر دانشور کی نگاہ سے جائزہ لیا اور اپنے تاثرات کو من و عن صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا۔ یہی ایک کامیاب سفرنامہ نگار کی خصوصیت ہوتی ہے جسے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید رکھ سکتا ہے اور یہ خصوصیت بلاشبہ دریابادی کے حصے ہی میں آتی ہے۔

حواشی، حوالہ جات

۱۔ سفرنامہ ابن بطوطہ اس لحاظ سے چشم کشا ہے۔ یہ کتاب ''عجائب الاسفار'' المعروف بنام سفرنامہ ابن بطوطہ مترجم مولوی محمد حسین۔ اس سفرنامہ میں ابن بطوطہ نے دہلی کے حوالے سے شہر دہلی اور اس کی فصیل، دہلی کی تاریخ دہلی کے سلاطین، بادشاہ کے خصائل وغیرہ تمام تفصیلات بیان کی ہیں۔ دیکھئے کتاب سفرنامہ ابن بطوطہ مترجم مولوی محمود حسین عاکف بک ڈپو دریا گنج، اشاعت ہفتم مارچ ۲۰۱۱ء۔

۲۔ دیباچہ سفر حجاز از عبدالماجد دریابادی، ص:۷
(مشمولہ) عبدالماجد دریابادی احوال و آثار از تحسین فراقی ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۹۹۳ء، ص:۴۳۳

۳۔ کلیاتِ اقبال، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ۱۹۹۷ء، ص:۱۲۱

۴۔ زندہ رُود از ڈاکٹر جاوید اقبال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۴ء، ص:۱۲۹

۵۔ کلیاتِ اقبال، ص:۱۱۹

۶۔ ''سفرنامۂ اقبال'' از حمزہ فاروقی، عاکف بک ڈپو، ۳۲۴۳، کوچہ تارہ چند دریا گنج، دہلی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۸۔۲۷

۷۔ آپ بیتی نمبر اور سہ ماہی ''اکائی'' (اٹاوہ یوپی۔ شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۸۲ء، ص:۱۸۴

۸۔ مہاتما گاندھی اور اُن کی تعلیم ''مشمولہ'' صبحِ اُمید، مارچ ۱۹۲۱ء، ص:۲۰۱
بحوالہ عبدالماجد دریابادی از تحسین فراقی، ص:۲۰۰ خودی و آثار

۹۔ دلّی نقوش و تاثرات رشحاتِ قلم بابتِ دلّی
از: تصانیف مولانا عبدالماجد دریابادی، ترتیب عبدالعلیم قدوائی، ۲۰۱۳ء، ص:۸۸

۱۰۔ محولہ بالا، ص:۸۹

◆◆◆